# حاکم وقت کے حقوق وذمہ داریاں سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں

# THE RIGHTS AND DUTIES OF THE RULER IN THE LIGHT OF SEERAH OF THE HOLY PROPHET PBUH

Sohaib Ahmed*
Abdul Wajid Memon**

**Abstract**

The Holy Prophet (PBUH) was an organized politician, a ruler, and an administrator. He left a nice pattern for the followers to act upon to succeed. He made the politics described in the Qur'an as the practical politics and the principles of politics that he established can still take this society to the height of success. This paper focuses on this aspect of the Seerah of the Holy Prophet (PBUH).

**Keywords:** Ruler's rights, responsibilities, Seerah.

## تعارف

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ چاہے جس مقام اور جس حیثیت کا بھی بندہ ہو وہ اپنے سامنے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کو کھلی کتاب کی طرح پاتا ہے۔ اس کے لیے اس کتاب میں واضح احکامات بھی ہیں اور واضح طریقہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ ہم پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کو جہاں ایک معلم کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہاں ہی ایک بہترین مقرر اور واعظ و مبلغ کی صورت میں بھی دیکھتے ہیں۔ جہاں آپ ﷺ ایک بہترین والد کی حیثیت سے ہیں تو وہاں ہی ہمیں بہترین سسر کی حیثیت سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں آپ ﷺ سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں وہاں ہی ایک بہترین منصف اور باکمال سیاست دان وحاکم وقت کی صورت میں بھی ہمیں سیدھی راہ دکھاتے نظر آتے ہیں۔

* PhD Scholar, Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro

** MPhil Scholar, Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro

ایک حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے ہمیں سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں کیا ملتا ہے اور کیا کیا دروس ہماری رہنمائی کرتے ہیں اس ضمن میں ہم نے قرآن کریم واحادیث مبارکہ سے بعض دروس لکھ دیئے ہیں انہی کا عملی نمونہ جب ہم دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے پیارے محبوب سرور کونین ﷺ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ گویا وہی احکامات، دروس آپ ﷺ اپنے عمل سے امت کو دکھاتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں احادیث کی کتابوں سے بے شمار ایسے فیصلے وواقعات ملتے ہیں جن میں آپ ﷺ منصف وحاکم کی صورت میں فیصلہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سر تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی کو عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں۔

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دین سارے کا سارا نصیحت ہے۔ ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے پیغمبر کے لیے، مسلمانوں کے ائمہ (حکام) کے لیے اور عام لوگوں کے لیے [1]

(دین اسلام) مسلمانوں کے لیے نصیحت ایسے ہے کہ وہ حکمرانوں کی حق کے راستے میں معاونت کریں اور ان کی مکمل اطاعت کریں۔ ان پر خروج (ان کے خلاف نکلنا) کو چھوڑ دینا، لوگوں کے دلوں کی ان کی اطاعت کی طرف پھیر دینا۔ [2]

خطابی نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے نصیحت ایسے ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھے، ان کے ساتھ جہاد کرے، ان کی طرف صدقات ادا کرے، اور تلوار کے واسطے پر ان پر خروج نہ کرے۔

یہ تمام امور جب ہم دیکھتے ہیں تو نبی محترم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں ہمیں بدرجہ اتم ملتے ہیں کہ تمام معاملات میں ان کی اطاعت بھی کی گئی ہے۔ ان کے خلاف مسلمانوں نے کبھی خروج نہیں کیا۔ حق کے راستے میں ان کا ساتھ دیا گیا ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھی گئی ہے۔ ان کے ساتھ جہاد کیا گیا ہے۔ صدقات ادا کیے گئے ہیں۔ وغیرہ ذلک تمام امور میں مکمل پیروی آپ ﷺ کی زندگی میں ملتی ہے۔ ذیل میں ہم کچھ احادیث کے ضمن میں اس کو مزید واضح کرتے ہیں۔

### حد زنا کے معاملے میں صحابہ کرام کی اطاعت

ترجمہ: مسلمانوں میں سے ایک بندہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس وقت نبی محترم ﷺ مسجد میں تھے۔ اس بندے نے نبی علیہ السلام کو پکارا اور کہا اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس سے

اعراض کیا۔ پھر وہ بندہ چہرے کی طرف سے آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ انہوں نے پھر اس سے اعراض فرمایا یہاں تک کہ وہ چوتھی مرتبہ ان کی طرف آیا۔ جب اس نے اپنے نفس پر چار مرتبہ گواہی دے دی تو نبی محترم ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: کیا تو مجنون ہے؟ کہا: نہیں، پوچھا: کیا تو شادی شدہ ہے؟ کہا کہ جی ہاں، نبی محترم ﷺ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور رجم کر دو۔ (پتھر مار مار کر ہلاک کر دو) جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان میں تھا جنہوں نے اس کو رجم کیا ہے۔ ہم نے اس کو عید گاہ کے قریب رجم کیا۔ جب ہم نے اس پر پتھر پھینکنے شروع کیے تو وہ بھاگ گیا ہم نے اس کو حرہ کے مقام پر پایا تو وہاں ہی رجم کر دیا۔[3]

## حکمرانوں کو خطوط اور دعوت اسلام

«بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ،[4]

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل بادشاہ روم کی طرف۔ جو ہدایت کی تابعداری کرے اس پر سلام ہو۔ حمد و ثنا کے بعد: میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو سلامتی میں رہو گے۔ اسلام قبول کر لو اللہ تمہیں دوہرا اجر دیں گے۔

سیرت کی روشنی میں ایک حاکم وقت کی حکمرانی کے لیے جہاں یہ بات نظر آتی ہے کہ رعایا کو ان کے حقوق کا خیال بھی رکھیں وہاں پر یہ بات بھی ملتی ہے کہ حاکم وقت کو چاہیے کہ جس طرح پیغمبر علیہ السلام نے دوسرے ممالک کے حکمرانوں کے نام دعوتی خطوط بھیجے اور ان کو اسلام کی دعوت دی ہے ایسے ہی مسلم مملکت کے حکمران کے لیے بھی یہ ہدایت ملتی ہے کہ جہاں دیگر امور اسلام کے مطابق ہوں وہاں پر یہ بھی اس کو چاہیے کہ ممالک کے سربراہوں کے مقام کا بہر حال معترف ہوتے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچائے۔

ایک حاکم وقت کو سیرت کے اس انداز سے یہ پیغام ملتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اسلام اور مسلمانوں کے بچانے کی بات کرے۔ جہاں دین اسلام کا نقصان نہ ہو رہا ہو وہاں اگر کچھ شرائط کے ساتھ کفار سے صلح کر لی جائے تو جائز ہو گا۔ لیکن اس کے بدلے دور رس نگاہوں کا تقاضا یہ ہے کہ وقتی نقصان برداشت کر لیا جائے لیکن ایک دن اللہ ضرور دین اسلام کو سربلند کریں گے۔

ان احادیث سے جہاں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ امام اور حاکم وقت کو کیا کرنا چاہیے وہاں ہی حقوق بھی واضح ہو جاتے ہیں ایک مسلمان کو دوسرے کے ساتھ کیسے رہنا چاہیے۔ وہاں ہی اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ حاکم وقت کو نیکی کی ترغیب بھی عمومی طور پر دینا چاہیے اور لوگوں کو اس پر چلانا چاہیے۔ اس لیے ایک حاکم وقت کو چاہیے کہ سیرت کی روشنی میں وہ وہی کام کرے جو نیکی والے ہوں۔ اس کے ہر ہر عمل سے نیکی ٹپک رہی ہو۔ وہ وہی کام کرے جو ہمارے محبوب ﷺ نے کیے اور امت کو راہ دکھادی ہے۔

**حاکم وقت کی ذمہ داریاں سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں**

نبی کریم ﷺ کی اصل حیثیت تو اللہ کے رسول ہونے کی ہے۔ اور آپ کے طرز عمل میں سب سے گہرا رنگ وحی کی صورت میں اللہ سے رہنمائی لینے اور اس کو عمل میں لانے کا ہے۔ اس اعتبار سے جب ہم مسلمان نبی کریم ﷺ کے مختلف کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو اسی بنیادی حقیقت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہر معاملے کو اللہ کی طرف سے ہدایت کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور ان زمینی حقائق کی جستجو میں نہیں پڑتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے طور پر تمام امور دینیہ میں جاری کر رکھی ہے کہ وہ ہر کام کی تکمیل عموماواقعاتی بنیادوں اور وسیلوں کے ذریعہ ہی کرتا ہے۔ ایمان اور اعتقاد کے لیے اسی رویے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر حیات مبارکہ سے اس دور کے واقعات کے درست انجام دہی کے واقعاتی حقائق بھی تلاش کر لیے جائیں تو اس طرح آپ ﷺ کے طرز عمل کی تشریح مزید آسان اور اس کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسوہ مبارکہ آپ ﷺ کی ہر حیثیت (قاضی، حاکم، سپہ سالار وغیرہ) میں مسلمانوں کے لیے راہ ہدایت اور ذریعہ نجات ہے۔ زیر نظر مضمون میں بھی نبی اکرم ﷺ کی ایک حیثیت کا مختصر مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات میں ایک حاکم و فرمانروا سیاست دان اور عظیم مدبر، اور منتظم سب کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھی۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ آپ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ اور یہ منصب آپ کو بحیثیت رسول اللہ ﷺ عطا ہوا ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہے کہ آپ ﷺ ریاست قائم کر کے اس کے حاکم و مدبر اور منتظم ازخود بن بیٹھے ہوں۔ لوگوں نے منتخب کر کے آپ کو اپنا فرمانروا بنادیا ہو۔ آپ ﷺ کی فرمانروائی رسالت سے ہٹ کر کوئی علیحدہ شی نہیں ہے۔ اور بطور حاکم آپ ﷺ کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ کی بیعت سے منحرف ہونا دراصل اللہ کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ یہ

بات بھی آپ ﷺ نے ہی ہمیں بتائی ہے کہ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی اطاعت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایت کے تابع ہی ہے۔ رسول جو منصب رسالت کا امین ہوتا ہے اپنی اطاعت کروانے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کا مکمل پیغام پہنچانے کا مشن لے کر اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ {وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ}[5] ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ پھر اطاعت کا ذکر کیا۔ {مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ}[6] جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ قرآن کریم کی ان آیات اور اس جیسی دیگر آیات میں اللہ پاک نے یہ ارشادات فرمادیئے ہیں کہ رسول کی اطاعت کتنی ضروری اور یہ اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس وقت ہم پیغمبر ﷺ کے حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے وہ امور ذکر کریں گے جن سے موجودہ زمانے کے حکمرانوں کی ذمہ داریاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں آکر رسالت کے ساتھ فرمانروااور حکمران کی حیثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا۔ کیونکہ مکہ میں آپ ﷺ کی حیثیت حکمران کی سی نہ تھی۔ اور اقتدار وہاں آپ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے حسن تدبر و حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسامثالی معاشرہ کی سیاست میں حکمت و دوراندیشی نمایاں تھی۔ آپ ﷺ مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی و دنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ ﷺ کو پوپ کا سا جھوٹا غرور تھااور نہ ہی قیصر کی طرح کوئی فوج آپ ﷺ کے پاس تھی۔

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی عظیم مدبر اور منتظم بھی تھی۔ اور آپ ﷺ کی مکی زندگی میں قبل از نبوت دو واقعات آپ کی سیاست اور اجتماعی شعور و تدبیر کی بہترین مثال ہے۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو حلف الفضول کا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ فخریہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدہ میں شریک تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سیاسی تدبر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے میں واقع ہے۔ جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوّق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف و منافرت کی جو آگ کتنے ہی خرمنوں کو خاکستر کرنے والی تھی۔ وہ آپ کے تدبر سے بجھ گئی۔ اور اہل مکہ آپ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ کی فراست بھی واضح ہوگئی۔

1) قانون کی پاسداری:

ایک حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے پیغمبر علیہ السلام نے اپنے آپ کو قانون کے بالاتر نہ سمجھا۔ اور نہ ہی یہ آپ کو استثناحاصل تھا کہ اپنے آپ کو مستثنیٰ کرلیں ان امور سے جو حاکم حقیقی کی طرف سے جاری کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ [7]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکمران کو اپنا آپ سب سے پہلے قانون کے اندر لانا چاہیے۔ اس لیے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اگر وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ کردے گا تو لوگوں میں عجیب فساد مچ جائے گا۔ لوگ تو اپنے حاکموں کے دین پر ہوتے ہیں۔ جیسے وہ کرتے ہیں انہی کو دیکھ کر دیگر عوام بھی کرتی ہے۔ اس لیے حاکم وقت کو چاہیے کہ اپنا آپ قانون کے دائرے کے اندر لائے۔

### 2) استثنا سے مبرّا

رسول اکرم ﷺ نے انسان کی سیاسی تاریخ میں یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے صاحب وحی اور شارح کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے نفاذ و اطلاق سے اپنے آپ کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان احکام کا اطلاق اپنی ذات پر کیا۔ آپ ﷺ کئی مواقع پر لوگوں کو یہ کہہ کر دعوت دیتے تھے کہ اگر کسی پر کوئی زیادتی ہوئی ہو تو وہ اس کا بدلہ مجھ سے لے لے۔

حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِصُّ مِنْ نَفْسِهِ، [8] کہ میں نے پیغمبر علیہ السلام کو دیکھا وہ بھی اپنی جان سے قصاص لیتے تھے۔

یہ بات حاکم وقت کے لیے کس قدر ضروری ہے کہ نبی محترم ﷺ باوجود یہ کہ وحی الٰہی ان پر نازل ہوتی ہے۔ لیکن امت کو درس دینے کے لیے بھی یہ معاملہ فرماتے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور اگر کسی سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو بتادے۔ یہ چیز امت کو اور لوگوں کو بادشاہ اور حاکم کے قریب کرتی ہے۔ جب بادشاہ اور حاکم وقت قانون کو اپنے اوپر سب سے پہلے نافذ کرے گا تو عام عوام تو اپنے آپ کو قانون کے اندر خوشی سے لائیں گے۔

### 3) اختیارات کا صحیح استعمال اور حدود سے تجاوز نہ کرنا

آپ ﷺ پوری امت کے لیے بہترین نمونہ عمل ہونے کی بناء پر اپنے وقت میں جن سیاسی و مذہبی احکام پر عمل پیرا ہوئے وہ تمام اور آنے والے زمانوں کے لیے نظیر بن گئے۔ اس حقیقت اسے انکار نہیں ہے کہ

آپ ﷺ کو مقتدر اعلیٰ کی طرف سے وسیع اختیارات عطا کر دیئے گئے تھے اس کے باوجود قانون ساز حقیقی کے مقرر کردہ قوانین سے تجاوز نہ فرمایا۔ اس بناء پر قرآن مجید کی رو سے آپ ﷺ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید ہے۔ ولا یَعْصِینَکَ فِی الْمَعْرُوفِ [9] جب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت معروف کی قید کے ساتھ مقید ہے تو دوسرے صاحب امر کے لیے غیر مشروط اطاعت کا حق کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا۔ نتیجۃً کسی امر کی یا کسی ایسے حکم یا قانون کی پاسداری نہیں کی جا سکتی جو قانونِ الٰہی کے خلاف ہو۔ اس کی وضاحت آپ ﷺ کے اس ارشاد میں بھی ہوتی ہے:

لاَ طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ [10]

اطاعت اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے بلکہ معروف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ [11]

مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے۔ خواہ وہ اسے پسند ہو یا نہ ہو۔ تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو اسے نہ سننا لازم ہے۔ اور نہ ماننے کا وہ پابند ہو۔

### 4) اظہار رائے اور اختلاف رائے کی آزادی

عہد رسالت میں حکمران اور عوام کے تعلقات کی نوعیت جبر و استبداد یا آمریت کے نظام سے مکمل مختلف تھی۔ جس طرح ریاست کے باشندوں پر اطاعت رسول ﷺ ضروری اور واجب تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی اور تعاون ہر فرد اسلامیت پر لازم تھا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی لازم تھا کہ ہمہ وقت باشندگانِ ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل رہیں۔ اور اگر ان کو شکایات پیدا ہوں تو ان کو رفع کریں۔ یا آپ ﷺ پر کوئی اعتراض کریں تو انہیں آپ ﷺ مطمئن کریں۔ چنانچہ ماخذ سیرت سے اس کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ عہد نامہ حدیبیہ 6 ہجری کے موقع پر صحابہ کرام کی بے چینی خصوصاً حضرت عمرؓ کا بے باقانا سوال کرنا اور آپ ﷺ کا جواب دے کر اسے مطمئن کرنا۔ اسی طرح غزوہ حنین میں فتح کے بعد تقسیم غنائم کے حوالہ سے کچھ انصار کو شکایات پیدا ہوئیں۔ تو آپ ﷺ نے اسی صورت حال کو فوری قابو میں لیتے ہوئے پیدا ہونے والے مسئلہ کو پوری سنجیدگی کے ساتھ حل کیا اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں وضاحتیں فرما کر انصار کو مطمئن کر دیا۔ [12]

مختصر ایہ کہ عہد نبوی میں لوگوں کو اظہار رائے اور اختلاف رائے کی مکمل آزادی تھی۔ البتہ اس امر کی وضاحت کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض و تنقید کرنے میں بے لگام نہ تھے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کا یہ فیصلہ کس حیثیت سے ہے۔ اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ مثلا غزوہ بدر 2 ہجری کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک جگہ کا پڑاوڈالنے کا انتخاب کیا۔ لیکن بعد میں حضرت خباب بن منذر کی وضاحتی سوال پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے از خود جگہ کا انتخاب فرمایا ہے۔ تاہم حضرت خبابؓ کے مشورے پر دوسری جگہ کا انتخاب فرمایا۔[13]

یوں با مقصد رائے اور نتیجہ امیر، مشورے اور اجتماعی مفاد کے لیے کسی بھی صحابی کی رائے کو حالات کی ضرورت کے پیش نظر اہمیت دی جاتی اسی لیے مساوات اور اجتماعیت کا شعور سب افراد میں موجزن تھا۔

اس حوالے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سربراہ مملکت کے لیے یہ بات سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں ملتی ہے کہ اپنی رعایات میں سے ہر ایک کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی دے تا کہ لوگ اپنے خیالات کا اظہار پوری طرح کر سکیں۔

### 5) وزارت کے لیے باصلاحیت افراد کا انتخاب

### عہدے طلب کرنے والے کی حوصلہ شکنی

رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت سربراہ مملکت حکمران حکومتی عہدوں پر خدا ترس، باصلاحیت پاکیزہ کردار کے حامل اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو اسلام کی رو سے واقف، دین حق کے مزاج شناس، راہ حق میں مصائب برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور مکمل تربیت یافتہ تھے۔ اور جملہ عہدے داروں کو یہ بات باور کروائی کہ یہ حکومتی عہدے اور مناصب حصول عزت و جاہ کے لیے یا کسب دنیا کے لیے نہیں ہیں۔ لہذا ان کے حصول کی جدوجہد اور تمنا بھی درست نہیں بلکہ غیر مستحسن کام ہے اور ارشاد فرمایا: «إِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ»[14]، ترجمہ: خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس عہدے کی درخواست کی ہو۔ یا جو اس کا حریص و مستحق ہو۔ اور مقام پر ارشاد فرمایا: « إِنَّ أَخْوَنَكُمْ عِنْدَنَا مَنْ طَلَبَهُ »[15] ترجمہ: ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن شخص وہ ہے جو اس کا طالب ہو۔

حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ کو آپ ﷺ نے ذیل کے الفاظ میں ہدایت فرمائی:

اے عبد الرحمن! امارت کے طالب نہ بنو۔ اگر یہ بن مانگے مل جائے تو اس کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ اور اگر اس کو خود مانگ کر حاصل کروگے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔[16]

**6) ذہانت وفراست**

محمد علی کرد آپ ﷺ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''نبوت سے پہلے ہی اہل مکہ آپ ﷺ کو الامین کہہ کر پکارتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی امانت ومروت کو اور آپ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے حسن معاملت کو دیکھا اور مبعوث ہونے سے پہلے اکثر آپ اپنی حکمت سے ان کے پیچیدہ مسائل کا صحیح حل فرمادیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ حلف الفضول میں بھی حاضر تھے۔ جب تمام قبائل آپ کے فیصلوں پر ہنسی خوشی راضی ہوگئے۔ وہ آپ کے فعل پر خود حیران تھے۔ انہوں نے عمر میں اپنے سے چھوٹے اا ور مال میں اپنے سے کمتر کی اطاعت کی۔ اس طرح سب نے تبھی آپ کو خود پر حاکم ورئیس تسلیم کر لیا تھا۔''[17]

اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی حیثیت قائد تحریک کی ہوگئی۔ جس پر مخالفتوں کے طوفان اٹھے۔ اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ معاشرتی مقاطعہ ہوا۔ اور رفقاء کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے کاروان شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور تدبر و تائید ایزدی کے ذریعہ بچالیا۔ اگر آپ ﷺ کی سیاسی پالیسی و فراست میں ذرا بھر بھی کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہو جاتا۔ اور مٹھی بھر مسلمان ختم ہو جاتے۔[18]

ان امور سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حاکم وقت کو کیسی سیاسی بصیرت و تدبر سے کام لینا چاہے۔ ایک طرف تو اس کے ذمہ پورا ملک ہوتا ہے جہاں اس نے اسلام کا بول بالا کرنا ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے کارکنان بھی ہوتے ہیں ان کی جان بھی بچانی ہوتی ہے۔ اس لیے حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ سیرت نبویہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حکومت چلائے تاکہ کسی سے ناانصافی نہ ہونے پائے۔

آپ ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات میں بہت حکمت سے اپنی دعوت کو وسعت دی۔ اور تدبر سے قریش کی ہر تدبیر اور رکاوٹ کو ناکام بنادیا۔ آپ کے سیاسی تدبر میں تائید الٰہی کا عنصر حاوی ہوتا۔ اسلام کی دعوت کو پھیلانے میں مختلف قبائل تک جانے اور عمومی انداز تخاطب اختیار کرنے کے تمام پہلو آپ ﷺ کی فراست کی بیّن دلیل ہیں۔ وحی الٰہی کی ہدایت اور پیغمبرانہ بصیرت اپنا کام مسلسل سرانجام دیتی رہی۔ سیاسی نقطہ نظر سے جب آپ نے یہ دیکھا کہ مکہ تحریک کے لیے اچھا مرکز نہیں ہو سکتا تو آپ نے گرد و پیش پر نگاہ دوڑائی اور مکہ سے باہر

اپنی مرکزیت اور اجتماعیت اور مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کے لیے پہلے حبشہ کی جانب اور پھر خود مدینہ کی جانب ہجرت کی۔[19]

اس سے یہ پتہ چلا کہ حاکم وقت اگر یہ دیکھے کہ اس کے دینی امور میں خلل پیدا ہو کر مسلمانوں کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے تو اسے چاہیے کہ مرکز بدل دے لیکن کام نہ چھوڑے۔

### 7) مواخات کا قیام

بحیثیت سیاستدان آپ ﷺ کے تدبر و فراست کی عملی آزمائش مدینہ میں پیش آئی کہ آپ ﷺ نے انتہائی مشکل حالات میں اپنی خداداد بصیرت سے سلامتی کی راہیں نکال لیں۔ مدینہ میں آپ ﷺ نے شہریت کی کامل تنظیم کا آغاز کیا۔ جس میں آپ ﷺ کو منتظم ریاست کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مستحکم معاشرت اور پر سکون اجتماعیت کے لیے آپ ﷺ نے شاندار اقدامات کیے جن سے آپ ﷺ کی سیاسی حیثیت ابھر کر سامنے آگئی لیکن منشاء اصل آپ کا یہی تھا کہ زمین پر راج اللہ کا ہی ہو۔

اس کے بعد دوسر بڑا مسئلہ مسلمانوں کی آباد کاری کا تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور انصار مدینہ کا ایک مضبوط گروہ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ آنے والے مہاجر مسلمانوں میں اور انصار میں ہم آہنگی یک جہتی اور استحکام کا بڑا مسئلہ آپ ﷺ نے اپنی سیاسی حکمت عملی سے طے کیا اور مسلم معاشرت کی بنیاد اس مواخات والے اصول پر مضبوط کر دی جو انصار و مہاجرین کے مابین طے کی گئی تھی۔[20]

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان حکمران کو کیسے سیاسی پالیسی رکھنی چاہیے کہ اپنوں کا نقصان بھی نہ ہو، جانیں بھی بچ جائیں اور اسلامی اصول و دفعات کے دفاع کے ساتھ ساتھ اللہ کی زمین پر نظام خداوندی رائج کرنے کی بہترین حکمت عملی بھی سامنے ہو۔

### تدبیر سیاست

پیغمبر ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں مرکزی نظام نہ تھا۔ اور آپ ﷺ کی اس وقت متعدد فوری ضرورتیں حسب ذیل تھیں۔

1) اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین

2) مہاجرین مکہ کے گزر بسر کا انتظام

3) شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ

4) شہر کی سیاسی تنظیم و فوجی مداخلت کا اہتمام

5) قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچائے گئے جانی ومالی نقصانات کا بدلہ [21]

کسی بھی ملک کے مسلمان حکمران کے لیے یہ امور ایک درس عبرت و موعظت رکھتے ہیں۔ اس کا نقطہ نظر اپنے لیے مال جمع کرنا نہیں بلکہ مسلمان عوام کے لیے آسانی اور ان کی دیکھ بھال ہوا کرتا ہے۔ غرباء کے گزر بسر کا انتظام بھی مسلمان حکمران کے ذمہ ہوتا ہے۔

**اپنوں کو جوڑنے کی بہترین مثال**

انہی اغراض و مقاصد کے لیے نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے چند ماہ بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جس کا مقصد شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کا انتظام و دستور مرتب کرنا تھا۔

اس دستاویز کے ذریعہ سے نبی کریم ﷺ نے شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم سیاست دیا اور اس کے لیے خارجی مسائل سے نمٹنے کے لیے بنیاد قائم رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کو ایک منتظم اعلیٰ اور سیاست دان اور حکمران کی حیثیت ملی جو آپ ﷺ کی زبردست کامیابی تھی۔

"یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال قبل ایک باضابطہ انسانی معاشرہ قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں سے ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی اموال کو تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا۔ اور معاہدین کی یہ بستی (مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ سیاسی و مذہبی زندگی کے ارتقاء کو کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ جہاں سیاست اور مدنیت پر دست استبداد مسلط تھا اور دنیا پر فساد و ظلم پھیلا ہوا تھا وہاں باہم شیر و شکر ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون بن گئے۔"[22]

یہ ایک تاریخی معاہدہ تھا جو اپنے نتائج کے اعتبار سے فتح عظیم کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس پر قریش کو لانے اور اس سلسلہ کی جملہ پر پیچ مراحل کو طے کرنے میں حضور اقدس ﷺ نے ایسی سیاسی حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا جس سے بعد والوں کو تا قیامت رہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصلحت حضور اقدس ﷺ کی سیاست کا بے مثل شاہکار ہے۔

اسی طرح نبی محترم ﷺ نے اسلامی برادری کے باہمی برتاؤ کے بارے میں بھی بڑی ہدایات دی ہیں اس میں بھی ایک حاکم

وقت کو واضح ہدایات ملتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.[23]

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے۔ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوسطہ رہنا چاہیے۔)

میثاق مدینہ کو حکمت سے لاگو کرنے سے رسول اقدس ﷺ نے اسلامی سیاست کی بنیاد مضبوط کی۔ آپ کے پیش نظر اب صالح معاشرے کا قیام اور دینی حکومت قائم کرنا تھا۔ قرآن کریم نے نبی مکرم ﷺ کی سیاست کی حکمت اور حکومت کے طریق کار کو متعین فرمایا ہے۔ آپ کی قائم کردہ حکومت عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت کی بنیاد پر قائم تھی۔ جو منفرد پر حکمت ریاست تھی۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

{الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ}[24]

منتظم سیاست و ریاست کے طور پر آپ ﷺ کے کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1) امور داخلہ

2) امور خارجہ

**امور داخلہ**

امور داخلہ میں آپ ﷺ نے خصوصی توجہ امن و استحکام اور اخلاقی تربیت کی طرف رکھی اور ان امور کو جس سلیقے سے ملحوظ خاطر رکھا وہ سیاسی تدبر و فراست کا بین ثبوت ہیں۔

نبی محترم ﷺ کی حکمت عملی میں سب سے زیادہ اہمیت اشاعت اسلام کو حاصل تھی۔ آپ نے مدینہ میں تعلیم کے مراکز قائم کیے۔ مختلف علاقوں میں تربیت یافتہ معلم بھیجے۔ علوم دینیہ کو فروغ دیا اور جن علاقوں کو فتح کیا وہاں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی بجائے امن و آشتی کے اصولوں کو پیش نظر رکھا تاکہ تبلیغ دین اور

اشاعت اسلام کا مبارک مشن آگے بڑھ سکے۔ فتح مکہ پر آپ ﷺ نے جس صبر و تحمل سے کام لیا وہ اسی اشاعت اسلام کے جذبے کا اثر تھا۔[25]

اسی طرف طائف کے مقام پر جو مصائب برداشت کئے اور ان ظلم توڑنے والوں کے لیے جو دعاء رحمت کی وہ اسی مشن کی تکمیل تھی۔[26]

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاسی تدبیر کی کہ نو مسلموں کو اعزاز بھی دیئے۔ آپ نے پیغمبرانہ بصیرت سے انہیں معزز ہی رکھا اور اس اصول کو اس طرح بیان فرمایا:

"تم میں سے عہد جاہلیت کے معزز اسلام لانے پر بھی معزز ہی ہوں گے بشرطیہ کہ وہ دین اسلام کی سمجھ حاصل کرلیں"[27]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی سیاست کا ایک اہم جز احترام انسانیت تھا۔ آپ نے کشت و خون سے گریز کی پالیسی پر عمل کیا۔ اگرچہ آپ نے دفاع اور اسلام کی بلندی کے لیے جنگیں کیں لیکن ان کی نوعیت مختلف تھی۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ:

"عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس کی آبادی یقیناً کئی لاکھ تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً 274 مربع میل کے اوسط سے فتوحات ہوئی جن میں ایک دشمن ماہانہ قتل ہوا۔ یہ اس حکمت کا اصول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر انسانی خون کے احترام کی تھی۔"[28]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی سیاست کا ایک قابل ذکر پہلو معاشرتی تطہیر تھی کہ مدینہ کو آپ نے مفسد اور بگاڑ پیدا کرنے والے عناصر سے پاک کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں دینی و دنیاوی ہر دو رخ موجود تھے۔ آپ کی حکومت اور آپ کی سیاست کلی طور پر دینی اثرات و رجحانات کے تابع تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وزارت بھی حکمت سے پر تھی اور حکومت بھی۔ آپ نے ملکی تقسیم بھی کی اور وزارتی بھی۔ افسروں کو بھی منتخب کیا جن کو تنخواہ جاتیں اور ان کا احتساب بھی کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پولیس کو بھی منظم کیا اور بطور سیاست دان آپ کا مرکز حکومت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ آپ تمام وفود قبائل سے یہیں ملاقات فرماتے۔ گورنروں اور عمائدین حکومت کو ہدایات

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روانہ کی جاتیں۔ دین و دنیاوی معاملات طے کئے جاتے۔ ہر قسم کی سیاسی و مذہبی تقاریر کا انعقاد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوتا۔

**اُمور خارجہ**

بطور حکمران وسیاست دان سب سے پہلے اُمور داخلہ میں ریاست کے استحکام کا بندوبست کیا۔ آپ نے وہ تمام طریقے اپنائے جن سے استحکام ملت ممکن تھا۔ پھر اس کے بعد آپ نے سیاسی حکمت عملی سے دشمن کی قوت کو توڑا۔ اس سلسلے میں آپ نے پہلی تدبیر یہ کہ کہ مشرکین پر آپ نے معاشی دباؤ ڈالا اسی طرح اہل مکہ کے حلیفوں سے تعلقات استوار کیے۔ آپ کے مختلف معاہدوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ کی سیاست کا یہ اصول بڑا موثر ہے۔ بیعت عقبہ میں مدینہ والے دراصل قریش سے صلح کے لیے آئے تھے۔ میثاق مدینہ مین بھی یہی جذبہ کا فرما تھا جو آپ کی سیاست خارجہ کا شاہکار ہے۔[29]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کا اہم شاہکار اس کے بعد صلح حدیبیہ ہے۔ جب مسلمانوں کو دو خطرے تھے۔ آپ نے مکہ کی طرف سے جنگ کو اس صلح کے ذریعے بند کر دیا کہ ان کو جانبدار کر دیا اور اس معاوضے میں تجارتی راستہ کھول دیا، یہ زبردست فتح تھی جو مسلمانوں کو ملی۔

مسلمانوں کے حالات کے مطابق سیاست دانی کا اقتضاء یہی ہو سکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر لی جائے اور دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست یا طرفدار بنالیا جائے کہ دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے اور مکہ سے صلح خیبر کے بجائے اس لیے کی گئی کہ مکہ مسلمانوں کے لیے رعایتوں کا متقاضی تھا۔ صلح حدیبیہ سفارتی سرگرمی کا پیش خیمہ تھی جو بعد میں فتح مکہ کی بنیاد بنی۔[30]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست خارجہ کا بہت بڑا اصول اپنی دعوت کو وسیع کرنا تھا چنانچہ اس کے لیے آپ نے دو طریقے اختیار فرمائے:

**1۔ دعوتی خطوط**

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا، اس وقت حجاز میں قبائلی نظام تھا۔ جس میں مرکزیت کا تصور بھی نہ تھا۔ صرف دو پڑوسی سلطنتیں ایران اور روم تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرون ملک کے استحکام کے بعد بیرون ملک دعوتی خطوط لکھنے شروع کیے۔ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اپنا خط ایک سفیر کو دے کر روانہ فرماتے اور مکتوب الیہ کے رد عمل کا انتظار کرتے۔

ان سفراء کے انتخاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلیت وشخصیت کے ساتھ زبان دانی اور زبان آوری کا بھی خصوصی لحاظ رکھا۔[31]

اس کے علاوہ خارجہ سیاست میں آپ نے تالیف قلبی کو بھی ملحوظ نظر رکھا اور زکواۃ کو تالیف قلبی کے لیے استعمال کیا۔ یہ رعایت اس لیے تھی کہ اسلام دل میں گھر کرلے گا تو جہاد بھی ہو گا اور زکواۃ کی ادائیگی بھی۔ غرض قرآن نے عملی سیاسیات کی جو اہم ودروس تعلیم دی اور حکمران کو جو صوابدید کا حق دیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پوری طرح نظر آتا ہے۔

آپ کی سیاست کا سب سے عظیم شاہکار فتح مکہ ہے جو آپ کی دس سالہ مدنی سیاست کا وہ عظیم نتیجہ تھا جس کی بنیاد صلح حدیبیہ کو بنایا گیا تھا۔ اس میں بھی تالیف قلبی کا پہلو تھا۔[32]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بطور سیاستدان وحکمران اور منتظم ومدبر تھے۔ آپ نے آنے والوں کے لیے قابل اتباع نمونہ عمل چھوڑا۔ آپ نے قرآن کی بیان کردہ سیاست کو عملی سیاست بنایا اور آپ کے قائم کردہ اصول سیاست آج بھی اس معاشرہ کو اس عروج کی بلندی پر پہنچا سکتے ہیں۔ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو ان کو چھوڑ کر مغربی تقلید میں گوشہ عافیت تلاش کر رہے ہیں۔

## حوالہ جات


[1] القشيري النيسابوري أبوالحسن مسلم بن الحجاج (المتوفى:261هـ) صحیح مسلم:1/54 مکتبۃ:قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] النووی: محی الدین ابو ذکریا یحیٰ بن شرف (المتوفیٰ676ھ) شرح نووی تحت صحیح مسلم ص54

[3] القشيري النيسابوري أبوالحسن مسلم بن الحجاج (المتوفى:261هـ) صحیح مسلم:1/66 مکتبۃ:قدیمی کتب خانہ کراچی

[4] القشيري النيسابوري أبوالحسن مسلم بن الحجاج (المتوفى:261هـ) صحیح مسلم:2/97 مکتبۃ:قدیمی کتب خانہ کراچی

[5] [النساء:64]

[6] [النساء:80]

[7] [الأنعام:14]

[8] البيهقي، الخراساني، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي (المتوفى:458هـ) السنن الكبرى للبيهقي (9/72) دار الكتب العلمية بيروت

[9] القرآن: الممتحنہ ۱۲

[10] البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری 9/88 الطبعۃ الاولیٰ 1422

[11] البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری 9/63 الطبعۃ الاولیٰ 1422

[12] دحلان: احمد بن زینی، (المتوفی 1304ھ) السیرۃ النبویہ 3/142، 131

[13] دحلان: احمد بن زینی، (المتوفی 1304ھ) السیرۃ النبویہ 2/72

[14] القشيري النيسابوري أبو الحسن مسلم بن الحجاج (المتوفى: 261ہ) صحیح مسلم: 3/1456 مکتبۃ: احیاء التراث بیروت

[15] السِّجِسْتاني: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق (المتوفى: 275ہ) سنن أبي داود (3/131) مکتبہ العصریۃ بیروت

[16] السِّجِسْتاني: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق (المتوفى: 275ہ) سنن أبي داود (3/130) مکتبہ العصریۃ بیروت

[17] محمد کرد علی، الکامل، المتوفیٰ 1953ء، الاسلام والحضارۃ العربیہ 332 تاریخ الانشاء 2019

[18] دحلان: احمد بن زینی، (المتوفی 1304ھ) السیرۃ النبویہ 1/339.310

[19] البصري، البغدادي: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي (المتوفى: 230ہ) الطبقات الکبریٰ 203 تا 207

[20] البصري، البغدادي: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي (المتوفى: 230ہ) الطبقات الکبریٰ 1/238

[21] ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی 285، سن اشاعت 1981

[22] ہیکل: محمد حسین، حیات محمد ﷺ ص 227، اقبال آفاقی اردو کتب خانہ، سن اشاعت 2010

[23] البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری 8/12 الطبعۃ الاولیٰ 1422

[24] الحج آیت 41

[25] دحلان: احمد بن زینی، (المتوفی 1304ھ) السیرۃ النبویہ 4/55

[26] دحلان: احمد بن زینی، (المتوفی 1304ھ) السیرۃ النبویہ 2/60

[27] القشيري النيسابوري أبو الحسن مسلم بن الحجاج (المتوفى: 261ہ) صحیح مسلم: کتاب الفضائل، مکتبۃ: احیاء التراث بیروت

[28] ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی 265، سن اشاعت 1981

[29] ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی 269، سن اشاعت 1981

[30] رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص 89 ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی

[31] محمد کرد علی، الکامل، المتوفیٰ 1953ء، الاسلام والحضارۃ العربیہ 100 تاریخ الانشاء 2019

[32] ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی 261، سن اشاعت 1981